رنگ و آہنگ

کوئی تکلیف تو سرکار کیجیے
عداوت بھی محبت میں روا ہے

عبدالحمید عدم

Pdf, By Misken Mazhar Ali Khan

Cel No, 00966590510687

رنگ و آہنگ

رنگ و آہنگ
عرشؔ
مقبول اکیڈمی
۴-اے شاہ عالم مارکیٹ
پوسٹ بکس نمبر ۴۶۹
لاہور
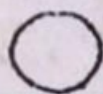
طبع اوّل
اپریل ۱۹۶۰ء

اہتمام
ملک مقبول احمد

مطبوعہ
اشرف پریس لاہور

قیمت :- تین روپے

ہاے ے ے ے ے ے ے ے ے ے ے ے ے ے ے

○

کس عقیدت سے ترا لذّت کشِ بیداد ہُوں

تُو ستم ایجاد ہے، یا مَیں ستم ایجاد ہُوں

تیری آنکھوں تک پہنچ کر ہی ملے گا کچُھ سکوں

مَیں تری آنکھوں کی اِک چھیڑی ہوئی رُوداد ہُوں

کیوں مجھے لیجا رہے ہیں حشر کی گرمی میں لوگ!!

میں تری زُلفوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں آباد ہُوں

اے حسینو! مجُھ سے بھی لے جاؤ کچھ تحسینِ حُسن،

لوگ کہتے ہیں کہ میں بھی حُسن کا نقّاد ہوں

اے مجھے ناشاد کرنے والے تیری خیر ہو!!

مُجھ کو تھوڑی سی مسرّت ہے کہ میں ناشاد ہُوں

سجدہ کر دیتا ہوں ہر ہنستی ہوئی دہلیز پر !!

میں قیودِ دیر و کعبہ سے ابھی آزاد ہوں

جانِ من ! میری خرابی کا نہ کر اتنا ملال

میں تری تعمیر کی اک مستقل بنیاد ہوں

آج تک مجھ پر نہیں مفہوم میرا کھل سکا

جانے کس روٹھے ہوئے معشوق کا ارشاد ہوں

یہ مرا اعزاز کیا کم ہے کہ اب بھی اے عدمؔ

بھولے بسرے خواب کی مانند اُن کو یاد ہوں

★

○
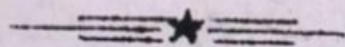
صِدق پر روزِ ازل سے جھُوٹ کا اِلزام تھا

جو حقیقی صاحبِ عزّت تھا، وہ بد نام تھا

میں صنم خانے میں جا کر مردِ مومن بن گیا

ہر حسیں مُورت کے ماتھے پر خُدا کا نام تھا

کوہکن کے رُوپ میں شیریں تھی مصروفِ عمل

ورنہ جُوئے شیر لانا اِک خیالِ خام تھا

چارہ سازوں نے ہوا دی ہے مرے آزار کو

ورنہ اِس سے پیشتر مجھ کو بہت آرام تھا

زندگی اِس رنگ سے ہم نے گزاری ہے عدمؔ

جیسے تفریحاً کوئی لذّتِ کشِ دشنام تھا

حسینوں کے جھرمٹ، شرابی ہوائیں

یہ کس وقت مانگی تھیں ہم نے دُعائیں

ارادہ ہے اِک دِن تمہیں ساتھ لے کر

چلیں تو اِدھر لوٹ کر پھر نہ آئیں

رواں ہیں تری کاکلوں کی لگن میں،

وگرنہ ستاروں کے دِل ٹوٹ جائیں

ریا کی عبادت کا قِصّہ نہ چھیڑو

بڑی چیز ہیں والہانہ خطائیں

عدمؔ کوئی ہے بھی حدودِ نظر تک؟

کِسے دے رہے ہو تم اتنی صدائیں؟

○

رنگ پیتے ہیں، نار پیتے ہیں

شے بھی کیا بادہ خوار پیتے ہیں

آگ لگتی ہے جب کلیجے میں

لوگ برق و شرار پیتے ہیں

اُنکی آنکھوں نے پی تو غوغہ کیا؟

سب فسانہ نگار پیتے ہیں!!

ہار گردن میں ڈال کر مُطرب

بر لبِ جوئبار پیتے ہیں!!

زُلف گاتی ہے، آنکھ ہنستی ہے

کِس ادا سے نگار پیتے ہیں!

یا بہت ہی قلیل ہلکی سی،

یا بہت بے شمار پیتے ہیں!!

ہم نے دو گھونٹ پی لئے تو کیا

اے عدؔم بادہ خوار پیتے ھیں

—≡★≡—

○
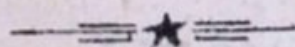
فصلِ گُل ہے، شراب پی لیجے

ضد نہ کیجے جناب پی لیجے

آگے چل کر حساب ہونا ہے

اس لئے بے حساب پی لیجے

بعد ازاں جیسے جی کرے چلیئے

پہلا ساغر، شتاب پی لیجے

دو تو قطرے ہیں جام کے اندر

کر کے زیرِ نقاب پی لیجے!

جاودانی سرور آئے گا!

آسمانی گلاب پی لیجے

دِل کا شیشہ ہے اور خلوص کی مے

اب تو عالی جناب پی لیجے

آپ اور اتنی ضِد عدؔم صاحب

ہرج کیا ہے شراب پی لیجے

○
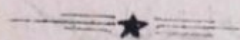
شعور میں ہے کمی ذرا سی تو رہنِ جامِ شراب ہو جا!
درست اگر ہو نہیں تو سکتا، تو کچھ زیادہ خراب ہو جا

وہ ذرّہ جس میں خودی کی تھوڑی سی بھی خداداد روشنی ہو
اُسے یہ خود آفتاب کہتا ہے آ جا ہمارا جواب ہو جا

سوال کا اور اس سے بڑھ کر جواب کیا دلپذیر ہو گا
سوال کوئی کرے تو اے دوست جھوم کر لاجواب ہو جا

سنبھالنا ہے تجھے اگر اپنی نوجوانی کی عصمتوں کو!!
تو میرا صرف اتنا مشورہ ہے، مری محبّت کا خواب ہو جا

دلِ شکستہ وہ آج احوال پوچھ بیٹھے ہیں اتفاقاً
یہ وقت ہے نامُراد! بے ساختہ صدائے رباب ہو جا

عدمؔ یہ مُدّت سے آرزو تھی کہ یار کو بے حجاب دیکھوں
مگر میں خود اُس کو کیسے کہتا کہ جانِ من بے حجاب ہو جا

○

خبر نہیں نصفِ رات کیوں آج دِل میں ہیجان آ رہا ہے!

میں اُس کی چوکھٹ پہ جا رہا ہوں کہ وہ مرے گھر میں آ رہا ہے

نہ راہ بر ہے، نہ راہ زن ہے، بس ایک بھٹکا ہُوا مسافر

اُداس جنگل میں شام کے وقت جشنِ حرماں منا رہا ہے

خُدا کا بھی معتقِد ہوں اور ناخُدا سے بھی میری دوستی ہے

مگر مجھے یہ خبر نہیں کون میری کشتی چلا رہا ہے!

زمانہ اِک لمحہ میری خاطر جو تیری چوکھٹ پہ رُک گیا تھا

کچُھ ایسا مبہُوت ہو گیا ہے نہ آ رہا ہے، نہ جا رہا ہے

تیری جواں کاکلوں کی خوشبو جہاں جہاں تک پہنچ چکی ہے

وہاں، وہاں خود خراج دینے فلک سے خورشید آ رہا ہے

چٹک رہا ہے بہار میں، شاخِ گُل پہ یوں عندلیب سر کو
کہ جیسے کوئی جواں پجاری درِ صنم کھٹکھٹا رہا ہے

ہمارے ہمراہ آج پی لی ہے اتفاقاً جو محتسب نے!!
مغاں ستارہ بجھت کھڑے ہیں تو میکدہ لڑکھڑا رہا ہے

مجھے کبھی اتنی ہچکیاں عمر بھر نہیں آئیں اس سے پہلے
مجھے گماں ہے عدمؔ مرا یار آج مجھ کو بلا رہا ہے

★

○
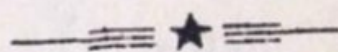
بشر کے ہیں بے شمار رستے، خُدا کی منزل کوئی نہیں ہے
فنا کے ہیں مختلف بہانے، بقا کی منزل کوئی نہیں ہے

قبا مگاہوں سے کیا تعلّق سرشت کے لااُبالیوں کا ٭٭
گلوں کے مسکن جگہ جگہ ہیں، صبا کی منزل کوئی نہیں ہے

ارے سیاہ بخت رہ نوردو یہ کِس کی تقلید کر رہے ہو
تمہیں نہیں اس کی بھی خبر رہنما کی منزل کوئی نہیں ہے

یہ ماہ و خورشید، یہ کشادہ فلک یہ تمثیل لوح و کرسی
یہ راستے کے نشان ہیں سب ارتقا کی منزل کوئی نہیں ہے

ہُما کے سائے کو ڈھونڈنے کا جنوں عدم برمحل ہے لیکن
سُنا ہے مَیں نے نظر وروں سے ہُما کی منزل کوئی نہیں ہے

○

سورج کی روشنی ہے جو پھول سے عیاں ہے
کیسا حسین بچہ، کتنی حسین ماں ہے

بنیادِ غنچہ و گُل، اس سے نہیں زیادہ
ٹھہرا ہُوا چمن میں، بھولا سا کارواں ہے

اُس مہ جبیں کی زُلفیں لہرا اُٹھیں تڑپ کر
میں نے جو ہنس کے پوچھا، تسکینِ دل کہاں ہے

نِکلوں تو کیسے نِکلوں اِس مقتلِ حسیں سے
مجھ کو ترے سِتم پر الطاف کا گُماں ہے

دیکھیں کہاں پہنچ کر، تھمتے ہیں تھمنے والے
تدبیر بھی رواں ہے، تقدیر بھی رواں ہے

کہتے ہیں صبحِ محشر جسکو جہان والے!
وہ تو عدمؔ ہماری، راتوں کی داستاں ہے

○

سُونی راہوں میں چلنے والے ہیں
ہم ترے شہر کے اُجالے ہیں

کتنی جاں سوز ہیں تمنّائیں
کیسے رنگین سانپ پالے ہیں

شیخ ان کے قریب مت آنا
یہ کتابیں نہیں پیالے ہیں

کاش اِک روز جھوٹ ہی کہہ دے
میری آنکھیں ترے حوالے ہیں

حادثوں سے شراب پی ہے عدمؔ
پتھروں سے صنم نِکالے ہیں

○

نامہ بر بھی کباب آتا ہے
خط کا کیسا جواب آتا ہے

داورِ حشر اِتنی بحث نہ چھیڑ
کچھ ہمیں بھی حساب آتا ہے

زندگی جیسے دوپہر کی تپش
موت جیسے کہ خواب آتا ہے

بجھ گیا دِل، مگر حسینوں پر
اب بھی خانہ خراب آتا ہے

جب بھی کرتا ہوں میں عدم توبہ
کس بَلا کا سحاب آتا ہے

مجھے تم سے بناوٗ کام کیا ہے
محبت ہے نیازِ مدعا ہے

جسے کہتی ہے دنیا بت پرستی!
وہ اک سادہ سا ادراکِ خدا ہے

مجھے کیا بد دعا تم دے سکو گے
تمہاری بد دعا میری دعا ہے

جنوں اِدراک کا پہلا نشاں ہے
خرد دیوانگی کی اِبتدا ہے

عدمؔ دل کو خدا محفوظ رکھے

نامِ جس کم سن کا عہدِ حال ہے
ماضی و فردا کے گھر کا لال ہے

موت اِک سوئی ہوئی تکلیف ہے
زندگی جیتا ہوا جنجال ہے

آج میری آنکھ کی آواز سُن
آج مجھ کو شوقِ عرضِ حال ہے

آپ کی چھب میں نہیں کوئی کمی
بندہ پرور آئینے میں بال ہے

کیوں نہ تجھ کو چوم لوں اے شامِ غم
تیری صورت میرے حسبِ حال ہے

لگن سے چُور ہوں میں بھی، ضرور لیتا جا
تجھے بھی پیرِ مُغاں کے حضوُر لیتا جا

صدا لگانے کا ہیں مُعتقد نہیں مُوسے!
یہ اپنا شعبدہ بالائے طُور لیتا جا!

بڑے اندھیرے ترے راستے میں آئیں گے
ذرا سا میری مُحبّت کا نوُر لیتا جا!

بنوں کے بیچ بھی کرنی پڑے گی گُل ریزی
رہِ بُو کے ساتھ صبا کا شعوُر لیتا جا

عدمؔ ملی ہے تجھے یار سے جو نزدیکی
اُسے حدودِ دو عالم سے دُور لیتا جا

ملے نظر سے نظر تو خمار آتا ہے
معاملات پہ فطری نکھار آتا ہے

مچل کے لیتے ہیں جس وقت بھی وہ انگڑائی
مجھے پریدہ خماروں پہ پیار آتا ہے

ترے کرم ہی کے اے دوست ہم حریص نہیں
ترے ستم سے بھی دل کو قرار آتا ہے

تمہارے حسنِ توجہ کا رنگ کیا ہوگا ؟
تمہارے حسنِ تغافل پہ پیار آتا ہے

تمہاری یاد مرے دل میں ایسے آتی ہے
کہ جیسے بن میں کوئی مے گسار آتا ہے

بہار صرف اک ایسی جو ہم تمام ہوئی

کوئی بخشتہ خطا نہیں ہوتی
آرزو و مدعا نہیں ہوتی!

کام کرنے کا ولولہ تو ہے
کام کی ابتدا نہیں ہوتی

کیا قیامت میں دیر ہے باقی
کیوں قیامت بپا نہیں ہوتی

ہم تو ہیں اُس نماز کے قائل!
جو ابد تک ادا نہیں ہوتی

پارسائی وہی سلیم ہے جو
سر بسر پارسا نہیں ہوتی

دوستی ورنہ کیا نہیں ہوتی

اُس کو دیتا ہے عمر خود انساں
زندگی دیر پا نہیں ہوتی

اُن سے کچھ اور ہو تو ہو سرزد
عاصیوں سے ریا نہیں ہوتی

آپ جتنی جفا پہ مائل ہیں
ہم سے اُتنی وفا نہیں ہوتی

وہ خفا ہیں تو کیا ملال عدمؔ
جسم سے جاں جُدا نہیں ہوتی

———★———

ہم سے جب ہونٹ وہ ملاتے ہیں
میکدے بنسری بجاتے ہیں!

آؤ! ہمکو فریب دو کوئی!
ہم خوشی سے فریب کھاتے ہیں

جو ترے در سے نامراد آئیں
اب مرے در کو کھٹکھٹاتے ہیں

اِک حسیں آنکھ کے اِشارے پر
قافلے راہ بھول جاتے ہیں!

کشتیاں یوں بھی ڈوب جاتی ہیں
ناخدا کِس لئے ڈراتے ہیں!

جگنوؤں کے سکوت گاتے ہیں

رہزنی ہی فقط نہیں کرتے
راہ زن راہ بھی دِکھاتے ہیں

دِل الم ہی سے شق نہیں ہوتے
دِل خوشی سے بھی ٹوٹ جاتے ہیں

قتل کرنے سے پیشتر قاتِل
کتنی ہمدردیاں جِتاتے ہیں

خوش رہو اے حسین اِنسانوں
راستے جگمگائے جاتے ہیں

آدمی باخبر وہی ہیں عدمؔ

(۱)
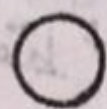
ہے ازل سے درونِ پردۂ راز
کوئی نغمۂ شوق زمزمہ پرداز

حُسن ہے میری آنکھ کا پرتو
عشق ہے میرے ذہن کی آواز

ڈوب جاتا ہوں سوچ میں ایسے!
جسطرح سوچ بھی جُزوِ نماز

اُس کی زُلفوں کو کھولنے کے لیے
چاہیئے صد ہزار عُمرِ دراز

آپ کی آنکھ رنگ کی آواز

جل گئیں میکشوں کی آنکھیں بھی
اُف ترے جسم کے نشیب و فراز

میں عدم سے یہاں چلا آیا
آ گئی تھی حضور کی آواز،

---★---
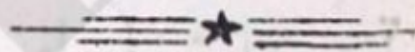
بات میں داستان ہوتی ہے
آنکھ دِل کی زبان ہوتی ہے

جان کا جِسم سے تعلّق کیا؟
صرف آنکھوں میں جان ہوتی ہے

اللہ اللہ اُس کی انگڑائی
جیسے اُڑتی کمان ہوتی ہے

دیکھو داتاؒ کی قبر پر جا کر
مرقدوں میں بھی جان ہوتی ہے

زندگی کی حدیں نہ قائم کر
زندگی لامکاں ہوتی ہے

دل کی دھڑکن سے سُن صدا میری
مُنہ میں جھوٹی زبان ہوتی ہے

جو بھی کرتا ہوں احتیاط عدمؔ
میرے حق میں زیان ہوتی ہے

★

○
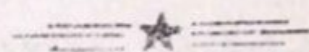
موسم بنا تو تارِ رگِ جاں کھنک پڑا
گیسو کھلے تو چشمۂ حیواں کھنک پڑا

دِل اُس حسیں کی یاد سے یوں موجزن ہوا
جیسے کوئی اُداس بیاباں کھنک پڑا

ناممکناتِ زیست پہ جب بھی نگاہ کی
پیچھے سے اِک علیل سا امکاں کھنک پڑا

اللہ رے اُس کے وعدۂ فردا کی نغمگی
جیسے سکوتِ چشمِ غزالاں کھنک پڑا

یہ حادثہ تھا ـ لے گیا جو ہمکو گھاٹ تک!

زندانیوں کی جب بھی طبیعت ہوئی اُداس

کیا علم کس خیال سے زنداں کھنک پڑا

عُنوانِ چمن کے میں نے کہانی نہ جب لکھی

قصّہ نہال ہو گیا، عُنواں کھنک پڑا

کہتے ہیں جسکو صوت، وہ وجدان ہے عدمؔ

مَیں چُپ رہا تو میرا گریباں کھنک پڑا

★
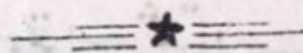
دل اُس حسیں کی زُلفِ پریشاں سے دُور تھا
یہ عندلیب صحنِ گلستاں سے دُور تھا

سو چاک اُس میں پھر بھی نمودار ہو گئے
حالانکہ میرا ہاتھ گریباں سے دُور تھا

موجِ نسیم کبھی نہ اُسے زندہ رکھ سکی !
وہ پھول جو تمہارے شبستاں سے دُور تھا

جو مارا تھا تہمتِ ہستی تھا سر بسر
وہ خواب تھا جو عالمِ امکاں سے دُور تھا

وہ خود ہی ہو گیا ذرا گھبرا کے بدحواس
میں تو حضور آپ کے درباں سے دُور تھا

اُس وقت میرا حال نہ تھا اِس قدر خراب

یُوسف کے واقعات سے جو بھی تھا باخبر
ہم سائیگیِ لطفِ عزیزاں سے دُور تھا

مُجھ سے نہ پُوچھ گردشِ دوراں کے واقعات
ہَیں واقعاتِ گردشِ دوراں سے دُور تھا

یُوں گُم ہوا کہ خُلد کی جاگیر بن گیا!
پریوں کا وہ گروہ جو سُلیماں سے دُور تھا

کہتے ہیں جب سفینے پہ بجلی گری عدم
ساحل کے آس پاس تھا طوفاں سے دُور تھا

وہ جو دِل کی دلیل ہوتی ہے
راہ کا سنگِ میل ہوتی ہے

جاں نِکل جائے یہ اگر سوچیں
عُمر کتنی قلیل ہوتی ہے!

آ ہی جاتی ہے یار کی خوشبو
جب طبیعت علیل ہوتی ہے

ہر تمنّا ہے ایک افسانہ
ہر حکایت طویل ہوتی ہے

ہائے اُس مہ جبیں کی آنکھ عدمؔ

○

رہزنوں سے دلیلِ راہ ملی
اتفاقاً کہاں پناہ ملی

میری نیکی بھی ہو گئی غارت
اُنکی لغزش بھی بے گناہ ملی

میں نے سچّی خوشی کو ڈھونڈا تھا
وہ بھی آشفتہ و تباہ ملی

جنکو کچھ ہوش تھا تماشے کا
اُنکو بہکی ہوئی نگاہ ملی

اُن کو جی بھر کے دیکھنے کیلئے

○

اُف وہ آنکھیں گُلابی گُلابی
ہو چلے ہیں وہ عالم شرابی

کاکلوں میں ستاروں کے جُھرمٹ
عارضوں میں بھنور آفتابی

خال و خط کی چُبھن دلبرانہ
اَبروؤں کی کشش ماہتابی

انکھڑیوں کے صدف آسمانی

گھنیاں جیسے پاگل ربابی!

دیکھ کر اُن کی سادہ طبیعت
لوگ کرنے لگے فیض یابی

لُٹ گئے ہم عدمؔ بے تکلّف
اُف حسینوں کی حاضر جوابی

★

○

بڑے صدق سے ناگہاں مرگئی
طبیعت ہماری جواں مرگئی

اجل کی بھی کچھ ٹوہ لگتی نہیں
نمعلوم وہ بھی کہاں مرگئی

ہے مرنا اُسی کا جو غمگیں کلی
بڑی شادماں شادماں مرگئی

خزاں آئی تو عہدِ گُل چل بسا
بہار آگئی تو خزاں مرگئی

عدم زلیت اب اتنی ناشاد ہے

○

رواج و رسم کا جھوٹا ادب نہیں کرتے
کہ ہم پرستشِ نام و نسب نہیں کرتے

خدا کے واسطے قسمیں نہ کھاؤ رہنے دو
تم اِس قبیل کی بیداد کب نہیں کرتے

بس ایک جرعۂ مے اور ایک بوسۂ لب
اگر خفا ہو تو یہ بھی طلب نہیں کرتے

جنابِ داورِ محشر — یہ میری فردِ عمل
ذرا فرشتوں کو حضرت طلب نہیں کرتے

○

ستم بھی بعض جگہ التفات ہوتا ہے
عجیب سلسلۂ واقعات ہوتا ہے

تری نگاہ نے بخشا ہے درد جو دِل کو!
بڑا سُبک ہے، مگر ساری رات ہوتا ہے

یہ ٹھیک ہے تو تسلی ہوئی غریبوں کی
سُنا ہے زہر بھی آبِ حیات ہوتا ہے

ہمارے دِل میں اندھیروں کی بود و باش کہاں
یہاں تو صِرف ترا نورِ ذات ہوتا ہے

رہا کی ناؤ ڈبونے کے سلسلے میں عدمؔ

مجھے بجلیوں سے بڑا پیار ہے
محبّت جوانی کا آزار ہے

حضور! آپ سے اِک گلا تو نہیں
شکایات کا ایک طُومار ہے

وہ نکلی سبُو ٹوٹنے کی صدا
میں سمجھا تھا نغمے کی جھنکار ہے

چلو آج توبہ کو توڑیں کہیں
کہ موسم بڑا زمزمہ بار ہے

شکایت سے برہم نہ ہو جانِ من
شکایت مری طرزِ گفتار ہے!!

عدمؔ برگِ گُل تو نہیں زندگی!

نہ انکار ہے اور نہ اثبات ہے
وہی خُو، وہی ضد، وہی بات ہے

جوانی ہے نوخیز پھُولوں کا رس
مُحبت ستاروں بھری رات ہے

مری زندگی میری دولت نہیں
مری زندگی تیری خیرات ہے

سماعت کا وجدان زندہ رہے
خموشی بھی لبریزِ نغمات ہے

مرا کیا ملے گا نشاں اِس جگہ!
جدھر دیکھتا ہوں تری ذات ہے

قیامت کی تشویش ہی کیا عدم

○

اُف وہ نظر جو ہوش اُڑا کر چلی گئی
دانش کا پہلا حرف پڑھا کر چلی گئی

رُخصت ہوئے وہ ایسے غریبوں سے رُوٹھ کر
جیسے کہ جان جسم میں آکر چلی گئی!

محشر میں بھی رُکی نہ وہ چشمِ فسوں طراز
محشر میں بھی وہ حشر اُٹھا کر چلی گئی

آئی تھی اِک حسین کی آہٹ خیال میں
لیکن ستم ظریف جگا کر چلی گئی

رنگ ایک شعبدہ ہے کسی عشوہ کار کا
میں معترف نہیں ہوں وجودِ بہار کا

وہ آئیں یا نہ آئیں مگر اے حسین رات!
تو ولولہ تو دیکھ مرے انتظار کا

میں کیا یقین لاؤں قیامت کے وہم پر
مارا ہوں آپ کے قول و قرار کا

کھلنے لگا تھا پھول کہ مرجھا کے گر گیا
کیا تنگ حوصلہ تھا ہوائے بہار کا

لو جا رہا ہوں قیدِ عناصر کو توڑ کر
پہلا ثبوت یہ ہے مرے اختیار کا

آ جا اے عدمؔ گزر ہے مرا اُس دیار میں

○

ابتدا کی بات تھی یا انتہا کی بات تھی
بات جو بھی تھی وہ تسلیم رضا کی بات تھی

گر گیا تھا ایک آنسو بے ارادہ آنکھ سے
وہ سمجھ بیٹھے کہ کوئی مدعا کی بات تھی

میرے ہونے میں مرا اپنا نہیں تھا کچھ شریک!
میری ہستی صرف تیرے اعتنا کی بات تھی

آشنائی کا بھرم بھی کھل گیا پایانِ کار
آشنا کی بات بھی نا آشنا کی بات تھی

○

آسودہ و شگفتہ و مست و جواں ہیں ہم
بس موسمِ بہار کے پیچھے رواں ہیں ہم

تو چاہتا ہے ہم کو کنارے پہ پھینکنا
کمبخت تجھ کو علم نہیں بیکراں ہیں ہم

صرف اتفاق ہی سے نہیں یہ موافقت
ویسے طبیعتاً بھی ترے رازداں ہیں ہم

اُس وقت تک نہ آئے گی گلزار میں خزاں
جب تک چمن کی اوٹ میں پردہ کناں ہیں ہم

زاہد ہمیں ابھی تو نہیں اب تک سمجھ سکا

تنہائی میں بھی کتنا بڑا کارواں ہیں ہم

ہم خاکِ پائے ابنِ علی۔ ہم شریف لوگ
کچھ بھی نہ ہوں، تو پھر بھی خدا کی زباں ہیں ہم

ہستی اگر ہے عرض تو جوہر ہیں ہم عدم
یعنی چراغِ محفلِ کون و مکاں ہیں ہم

★
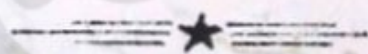
میں تری گردِ آستانہ تھا
شوقِ سجدہ تو اِک بہانہ تھا

اب وہاں بجلیوں کے مرقد ہیں
جس جگہ میرا آشیانہ تھا

لوگ جب اتنے عقلمند نہ تھے
وہ بھی کیا قیمتی زمانہ تھا

اُس ستم کو لگا لیا دِل سے
جسکا انداز والہانہ تھا

دے گیا خود کو بھی فریب عدمؔ

چارہ جوئی کا گر جنوں ہوتا
دردِ دِل اور بھی فزوں ہوتا

اُس نظر نے نہ اِتفاق کیا!
میں تو کہتا تھا دِل کا خوں ہوتا

کچھ تو ہونا تھا لازماً پھر کیا
یوں نہ ہوتا تو خیر یوں ہوتا

آ نِکلتا نہ میں اگر پی کر
تیرا بازار پُرسکوں ہوتا

بچ اِتفاق سے ابلیس!
سجدہ کرتا تو سرنگوں ہوتا

رِند بن کر بھی جاں بلب ہوں عدمؔ

دِن کی بینائی سیہ رات سے جا ملتی ہے

عقل کی سوچ خرابات سے جا ملتی ہے

کیوں نہ اِس آنکھ کو رونے کی اجازت دیدوں

خشک رہ کر بھی یہ برسات سے جا ملتی ہے

یوں لپٹتا ہے تری زُلف سے قلبِ ناداں

جیسے تقصیر مکافات سے جا ملتی ہے

کاش رہنے دے اُسی کو مری خاطر محفوظ

وہ عداوت جو مدارات سے جا ملتی ہے

گفتگو آپ سے کِتنی بھی ہیں بے لوث کروں

اِتفاقاً وہ شکایات سے جا ملتی ہے

ہے طبیعت ہی عدمؔ اپنی کچھ ایسی ناداں

ہو کے افسردہ و رنجور نکل آئے ہیں
تیری بستی سے بہت دور نکل آئے ہیں

وہ بھی کچھ حد سے زیادہ تھے تکلف فرما!
ہم بھی کچھ سرکش و مغرور نکل آئے ہیں

ہم نے سمجھا تھا کہ تفریح کا باعث ہوں گے
ساز تو درد سے معمور نکل آئے ہیں

اللہ اللہ توقع کی ضدوں کا جوبن
شاخِ امید پہ ناسور نکل آئے ہیں

ہم تری بزم سے اٹھے نہیں راضی ہو کر
ہم تری بزم سے مجبور نکل آئے ہیں

پارسا بیٹھے ہیں اب نام عدم کا لے کر

رِند ہوں، محض دِیندار نہیں
ہیں خدا کا وظیفہ خوار نہیں

کر تو لوں اعتبار تم پہ مگر
کیا کروں تم پہ اعتبار نہیں

مُدّعا یہ ہے ٹھیک ہے سب کچھ
ہنس کے کہتے ہیں بار بار نہیں

اِک حسیں کھُب گیا ہے آنکھوں میں
آج کل کوئی کاروبار نہیں!

مجھ سے دامن ترا کہاں بچتا
شکر کر موسمِ بہار نہیں!

آج یُوں دور سے چلا ہے عدم

○

وہ جو ہمکو پسند کرتے ہیں
اپنی قیمت بلند کرتے ہیں

ہمکو جھوٹی ہنسی نہیں آتی
ہم فقط زہر خند کرتے ہیں

مے کشی پاگلوں کا کام نہیں
مے کشی ہوشمند کرتے ہیں

لوگ لوگوں کو کس طریقے سے
فائز و سربلند کرتے ہیں

جب تک تری نظر کا اِشارا نہیں ہوا
ہم کو غمِ حیات گوارا نہیں ہوا

"پیتے رہے ہو!" اُس نے کہا میں نے عرض کی
حضرت! بغیر اس کے گزارا نہیں ہوا

یہ ہم نہیں جو کاکلِ معشوق کی طرح !
وہ صاحبِ شعور، سنوارا نہیں ہوا

پھر آ گیا ہوں آپ کی پلکوں کو چُومنے
اِس کے بغیر درد کا چارا نہیں ہُوا

میں بدنصیب تیرے ستم کا شہید ہوں
میں تیرے اِلتفات کا مارا نہیں ہُوا

کعبۂ دل کو صنم خانہ بنا کر چھوڑا
قیمتی جنس کو پیمانہ بنا کر چھوڑا

کثرتِ ہوش پہ مغرور تھے ہم تھوڑے سے
کثرتِ ہوش نے دیوانہ بنا کر چھوڑا

کتنی شمعیں ہیں بھرم جن کا رہے گا قائم
ہم نے جب شوق کو پروانہ بنا کر چھوڑا

چند موہوم اُمیدوں کو اکٹھا کر کے
ایک چھوٹا سا پری خانہ بنا کر چھوڑا

چُن لیا جسکو زمانے نے تفنّن کے لئے
حسبِ عادت اُسے افسانہ بنا کر چھوڑا

تلاطم پہ بجلی گراتے گئے
متانت سے کشتی چلاتے گئے

حوادث کی آغوش میں بے دھڑک
گئے اور پھر مسکراتے گئے

بہاروں کی خوشبو دلوں کے لئے
ستاروں کے بربط بجاتے گئے!

اگرچہ نہ تھی گانٹھ میں کوئی شئے
سخاوت کے دریا بہاتے گئے

کوئی آبلہ پاؤں میں جب پڑا
سلگتے ہوئے گیت گاتے گئے!

○

صدق۔ نہ جھوٹے خلق کا پانی
توبہ شہروں کی ویرانی !!

آبِ حیواں کے متوالو
کیوں پیتے ہو زہر کا پانی

بُت کو خدا کا رُتبہ دینا
اُف ری محبّت، ہائے جوانی

صُبحِ قیامت، دیر سے آنا!
رُوٹھ نہ جائے۔ رات کی رانی

دفورِ شوق سے جلتا رہوں، دہکتا رہوں
تمام عمر یُونہی تیری راہ تکتا رہوں

اگر تُو چھیڑ دے میرے ربابِ ہستی کو!!
تیری خوشی کے لیئے تا ابد کھنکتا رہوں

نہ ہو خزاں سے شناسا ترے چمن کی شفق!
ترے شباب کی ٹہنی پہ پُھول چہکتا رہوں

ترے لبوں کی طرح چار دن رہوں تازہ
تری نظر کی طرح چار دن چمکتا رہوں

خُدا کرے مجھے اِتنی جگہ تو مِل جائے!!
خُدا کرے دِل کو نین میں کھٹکتا رہوں

مجھے حضور سے اُلفت ہے لوگ کہتے ہیں

دروغ ہے کہ حقیقت ہے لوگ کہتے ہیں

میں دل لگی سے بھی اب اجتناب کرتا ہوں

مذاق ایک حقیقت ہے لوگ کہتے ہیں

دکھائی دیتے ہیں مطلب پرست سب پاگل

جنوں بھی ایک فراست ہے لوگ کہتے ہیں

ہمارے حال کی تشویش کس لئے ہو تمہیں

تمہاری چشمِ عنایت ہے لوگ کہتے ہیں

تمہارے بال جزیرے ہیں عُود و عنبر کے

تمہاری چال قیامت ہے لوگ کہتے ہیں

○
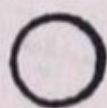
تسکینِ قلب کی بھی ضرورت نہیں رہی
راحت بقدرِ ذوقِ جراحت نہیں رہی

کرتے ہیں دشمنی کھلے بندوں ستم ظریف!
اب دوستوں کے دل میں کدورت نہیں رہی

انساں سے تو خیر گلا ہی نہ تھا کوئی
اللہ سے بھی کوئی شکایت نہیں رہی

بیداد سے بھی کھینچ لیا ہاتھ یار نے
اب زندگی کو وہ بھی سہولت نہیں رہی

○

ہوس کے سارے طلسماتِ خواب ٹوٹ گئے
رواں ہے عشق کا دریا۔ حباب ٹوٹ گئے

بڑے خلوص سے نغمے کا اہتمام ہوا
بڑے نیاز سے تارِ رباب ٹوٹ گئے

نگاہ ایسی بھی اک پڑ گئی فقیروں کی
کہ شہر یاروں کے بندِ نقاب ٹوٹ گئے

نکل گیا تھا میں اک دن شراب خانے کو
کھنک کھنک کے ظروفِ شراب ٹوٹ گئے

طلب کے جوش نے دل کو عدم جلا ڈالا

کتنے نادان بنتے جاتے ہیں
وہ مری جان بنتے جاتے ہیں

دشت میں آ رہا ہے موسمِ گُل
دِل میں ارمان بنتے جاتے ہیں

مشکلوں کی لپیٹ میں آ کر
کام آسان بنتے جاتے ہیں

ہائے کیا قدرتی مداوا ہے
درد درمان بنتے جاتے ہیں

سنگ اُٹھانے پہ بھی نہیں راضی
لوگ اِنسان بنتے جاتے ہیں!

کام رُکتے نہیں جہاں کے عدمؔ

○

اُن کی آنکھیں میکدے کی آبرو
اُن کی باتیں غنچہ و ساز و سبو

چل رہی ہیں آرزو کی کشتیاں
بہہ رہی ہے زندگی کی آبجو

میرے دِل پر بھی نظر اِک ڈالیئے
آپ ہی کا آئنہ ہے ہُو بہو

عِشق سجدے سے کبھی فارغ ہو گیا
عقل کرتی رہ گئی سہوِ وضو

سامنے سے ہی کر چلمن کا اُٹھا [illegible]
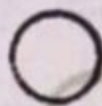
موت کا چسکا جب پڑ جائے۔ مرنا خود آجاتا ہے
مہ پاروں پر جان نچھاور کرنا۔ خود آجاتا ہے

خلوت میں اُس ماہ جبیں کا قُرب اگر ہو قسمت میں
چندن جیسے زانُو پر سر دھرنا خود آجاتا ہے

پاؤں رکھے جب کوئی پری وش عہدِ جوانی کی حد میں
بننا سنورنا، اور طرارے بھرنا خوُد آجاتا ہے

اوّل اوّل تھوڑی سی تکلیف ضروری ہوتی ہے
آخر آخر رونا، آہیں بھرنا، خود آجاتا ہے

آپکی اِس میں جانِ عدمؔ واللہ کوئی تقصیر نہیں

○

چلئے تو یارو سیدھے چلئے راجہ جی کے دوارے پر
ورنہ دھرنا مار کے بیٹھے رہیئے جُو کے کنارے پر

اے جنگل کی سرد ہوا، آ دُکھ سُکھ کی کچھ بات کریں
شام اندھیری آن پڑی ہے، اِک غمگیں بنجارے پر

جگنو پر خوشبو رانی کا، چنچل من ہے آیا ہُوا!
کیسا رَب کا فضل ہوا ہے، اِک قلّاش سِتارے پر

رہبر کو مت ڈھونڈ اگر منزل پہ پہنچنے کی دُھن ہے
چلتا جا نادان مسافِر۔ اک موہوم اِشارے پر

چھوٹ جائیگا ساتھ وہاں۔ اِک بیگانہ سی دُلہن کا!

ہ دِل ہے مندر۔ تُم اُس کی مورت ہو

زندگی

زندگی ہے جلترنگ
ڈولتی ہوئی اُمنگ

راگنی کا زیر و بم
ہرنیوں کا رقص و رم

کچھ فریب - کچھ بھرم
من کی پیاس نم بہ نم

پی کی آس یم بہ یم
چاند رات کی قسم

چاند بھی ہے زیرِ غم

زندگی ہے جل پری
پانیوں کی تیتری

آنکھ کا خمار ہے
بدگماں نگار ہے

لوچ کا نکھار ہے
رنگ کا شرار ہے

سربسر چنار ہے
گل نہیں ہے خار ہے

غمزدہ بہار ہے
شاد شاد ۔ دکھ بھری

زندگی ہے بال ہٹ

کشمکش، لپک، جھپٹ

مذہبِ شباب ہے

دردِ بے حساب ہے

مُستقل عتاب ہے

گونجتا سحاب ہے

چیختا رباب ہے

خستہ و خراب ہے

جو نہیں — چناب ہے

باڑ ہے۔ نہ کوئی پٹ

تکمیل

میرا جیون تو ہے آنسو آنسو
دیپ کی لَو میں ترنّم کیسا

پھر بھی اے پربت نگر کی رانی
تجھ کو سنگیت کی خواہش ہے تو گاؤں گا میں
درد کو گیت کی تمثیل بناؤں گا میں
زمزمہ بن کے ترے سامنے آؤں گا میں

★

میرے من میں جو چبھے ہیں کانٹے
میرے ہردے میں جو ہے ویرانی

زہر میں ڈوبی لگن کا پانی
تجھ کو چندن کے کٹورے میں پلاؤں گا میَں
صدق کی جوت سے اِک جام بناؤں گا میَں
تجھ کو فردوس کی کچھ سیر کراؤں گا مَیں

★

قطعہ

میری آکاش کماری جب تُو
گیت کی ناؤ میں داخل ہوگی

میں نے من میں ہے ازل سے ٹھانی

ناؤ میں چاند ستاروں کو سجاؤں گا میں
تیرے قدموں پہ امر دیپ جلاؤں گا میں
اپنی پلکوں سے تری ناؤ چلاؤں گا میں

جمود

موسم ہے بڑا بے ڈھب

سوکھے ہیں گُلوں کے لب

مُردہ ہے چمن کی چھب

یہ برف سی ٹھنڈی شب

تُو آئے گی اے جاں کب

تاخیر نہ اب فرما

اگنی سا بدن لہرا

آ۔ خونِ جگر پگھلا

★

یخ بستہ ہے پانی بھی

چشمے کی روانی بھی

جذبہ بھی - جوانی بھی

عنواں بھی - کہانی بھی

تصویر بھی - مانی بھی

آ — کوئی سبو کھنکا

آ — کوئی شرر برسا

آ — خونِ جگر پگھلا

احساس پریشاں ہے

ماحول ہراساں ہے

مَن جیسے بیاباں ہے

یا جنّتِ ویراں ہے

شب۔ شہرِ خموشاں ہے

آنچل کو ذرا جھٹکا

زُلفوں کو ذرا بکھرا

آ۔ خونِ جگر پگھلا

قندیل فروزاں کر

ظُلمت کو غزل خواں کر

ماحول کو رقصاں کر

تنظیمِ شبستاں کر

تخلیقِ بہاراں کر

پارے کی کَنی بن جا

میں رقص کروں۔ تُو گا

آ۔ خونِ جگر پگھلا

═══ ★ ═══

جنگل کی رانی

سرسبز ٹیلوں پر مگن
ناواقفِ رنج و محن!
معصوم و سادہ پیرہن
جس پر فِدا مُشکِ ختن
آہو صِفت جس کا چلن
پھرتی ہے اِک زہرہ بدن
آنچل کو لہرائے ہوئے

مُنہ چاندنی سے ہے دُھلا

ہونٹوں میں ہے آبِ بقا

زلفوں میں بربط کی صدا

اَطوارِ موسیقی نُما!

رفتار افسانہ سرا

مدہوش ہے ساری فضا

رَستے ہیں گدرلئے ہوئے

پاکیزگی کی جان ہے

تقدیس کا ارمان ہے

اَنوار کا دیوان ہے

اشعار کا طُوفان ہے

اللہ کا فرمان ہے!

جنگل کو مہکائے ہوئے

★

کیا آپ فرما رہی ہیں......

تُم تو کہتی ہو محبت کوئی تقصیر نہیں!
دِل کی سچائی میں شامل کوئی تدبیر نہیں

ایک دِل ہی تو ہے جو صِدق کا پیمانہ ہے
ماسوا اِس کے جو میزان ہے افسانہ ہے

پریت اِک قُدرتی میلان ہے کُھل جانے کا
یعنی مخلوق کے خلّاق سے مِل جانے کا

ہے جو تصویر و مصوّر میں خلا پریت تو ہے
باہمی رشتۂ اِنسان و خُدا پریت تو ہے

مجھ کو اِس نکتۂ الہام سے اِنکار نہیں!!

لیکن اِک حُجتِ صادق ہے اگر بار نہ ہو

تم پر افروختہ اِس سے مِری سرکار نہ ہو!

میں نے تاریخ کے جس دم بھی ورق اُلٹے ہیں

قیس و لیلیٰ کی مہموں کے طبق اُلٹے ہیں

ہیر رانجھے کے مراسم کی تِلاوت کی ہے

دِل کے احوال سمجھنے کی جسارت کی ہے

رام سیتا کے مصائب پہ نظر ڈالی ہے

جتنی گہرائی یمِ عشق کی کھنگالی ہے

لوٹ آیا ہوں بس اک تلخ عقیدہ لے کر

رُوحِ ناشاد و دلِ زخم رسیدہ لے کر

میں نے دیکھا ہے محبّت سی مُقدّس شے بھی
پیرِ میخانۂ تخلیق کی اپنی مے بھی

اِس روایات کی بستی میں کوئی چیز نہیں
اندھے قانون کی مستی میں کوئی چیز نہیں

چاند پاگل ہے۔ چکورے کا جنوں ہے مہمل
ربطِ اشیا کا دروں اور بروں ہے مہمل

اِس زر و سیم کی دُنیا کی شریعت ہے جُدا
اِس خرابات کا مفہومِ محبّت ہے جُدا

کفرِ اعظم ہے یہاں وامق و عذرا کا ملاپ
عشق سونے کا ترازو ہے، وفا سیم کا ماپ

بطنِ تاریخ میں بجز ریب و ریا کچھ بھی نہیں
چند شاہوں کے قصیدوں کے سوا کچھ بھی نہیں

جانِ من! تم مجھے صرف اپنا پجاری سمجھو
اِس پجاری کو محبّت کا بھکاری سمجھو

میں جو زندہ ہوں تو صرف آپ کی مرضی کیلیے
زندگی میری ہے اِک طاعتِ فرضی کیلیے

میرے نزدیک، نہ آؤ تو مناسب ہوگا
مجھ کو ہنس کر نہ بُلاؤ تو مناسب ہوگا

تم مری ہو۔ میں تمہارا ہوں۔ یہی کیا کم ہے؟
دُور کا ربطِ محبّت کا امرِ سرگم ہے

مشہور ہونے میں اعزاز نہیں ہے کوئی
سچّی تفریح کا انداز نہیں ہے کوئی

اپنی رُسوائی سے میں خائف و مقہور نہیں
آپ ہوں صیدِ ملامت مجھے منظور نہیں

٭ ٭ ٭

تُم اگر پھر بھی سمجھتی ہو کہ بزدل ہوں میں!
شہرِ اندیشہ کی بے رُوح و خنک سِل ہوں میں

تو چلی آؤ کلیجے سے لگا لوں تُم کو!
اپنی جلتی ہوئی پلکوں پہ اُٹھا لوں تُم کو

کون کہتا ہے کہ پابستۂ زنجیر ہوں میں!
ہر کڑے وقت پہ چلتی ہوئی شمشیر ہوں میں

دعوتِ نظر

چاندی سونے کو پُوجنے والی
عُمریا ہے تری بہت بالی؛

بال دھوکے میں آ ہی جاتے ہیں
لوبھ کا تیر کھا ہی جاتے ہیں

چاندی سونا بہت بڑی شے ہے
زندگی ہے۔ بہار ہے۔ مے ہے

پھر بھی اے اپنے وقت کی رانی

جب ذرا آنکھ ہوش میں آئے

دلِ تاسّف کے جوش میں آئے

تو اِدھر بھی نگاہ کر لیتا

یہ ذرا سا گناہ کر لیتا

ہم بڑے مطمئن بھکاری ہیں!!

ڈوبتے چاند کے پجاری ہیں

★

حسنِ بیمار

اب بھی تری نظر میں وہی آب وتاب ہے
ہلکی سی چاندنی ہے ذرا سی شراب ہے

سوئی ہوئی جبیں کے بجھے سے چراغ کو
اب بھی خراج دیتا ہوا آفتاب ہے

سوکھے ہوئے لبوں کی فسردہ روش بہار
ہلکے اثر کی نرم کشیدہ شراب ہے

بازو نہیں ہیں گیت ہیں دو میرے ذہن کے
گردن نہیں ہے شعر وادب کی کتاب ہے

پلکوں کی بے حسی میں ہے گلریز ایک جھول

ترتیب و نظم چھوڑ کے زلفِ سیاہ رنگ
شاعر کی وحشتوں کی دُعا کا جواب ہے

بلّور سے گلے ہیں یہ نازک رگوں کا جال
نیلم کی دھاریوں پہ نمِ ماہتاب ہے

جانم تری شکستہ مزاجی کے بوجھ سے
خلّاقِ دو جہاں کی طبیعت خراب ہے

*

جس وقت پسینہ بہتا ہے اُس وقت یہ راہیا گاتا ہے

تپتے ہوئے موسم کی دُھن پر بھڑکیلے گیت بہاتا ہے

دہقان ہے یہ، طوفان ہے یہ، راہٹ کی طرح گردان ہے یہ

محنت کی مُقدّس دیوی کے فرمانوں پر قربان ہے یہ

برسات کا پہلا چھینٹا ہے، رحمت کی تُلی میزان ہے یہ

کون اِس کے محاسن گنوائے فیّاض ہے یہ فیضان ہے یہ

مصروفِ تگ و دو رہتا ہے آرام کہاں فرماتا ہے

فِطرت کا دھنی، نیّت کا سخی، خیرات سے کب کتراتا ہے!

خوُد بھوکا رہے تو بھوکا رہے، دُنیا کے کام چلاتا ہے

سُلطان و گدا سب اسکی کمائی کا دریوزہ کھاتے ہیں!!

ہر چھوٹے بڑے کا شانے پر دہقاں کے عَلم لہراتے ہیں

جب پیٹ کا ایندھن مِل جائے۔ بندے بھی خُدا بن جاتے ہیں

در پردہ مگر وہ موذی بھی گائیں تو بھجن یہ گاتے ہیں

آکاش کا رازق کوئی سہی۔ دھرتی کا کِسان اَن داتا ہے

*

ہم لوگ

اگرچہ صیدِ غمِ روزگار ہیں ہم لوگ
قسم خدا کی سراپا بہار ہیں ہم لوگ

فقیہہِ شہرِ ادب سے کلام کر ہم سے
ستم ظریف بڑے باوقار ہیں ہم لوگ

قریب آکہ تجھے بھی یہ واقفیت ہو
ہوائے رحمتِ پروردگار ہیں ہم لوگ

یہ گُلستاں، یہ صبا، یہ پرند، یہ جھرنے!
ہزار رنگ کے نقش و نگار ہیں ہم لوگ

عجب سرُورِ مشقت میں ہم نے پایا ہے
عجب رنگ کے بادہ گسار ہیں ہم لوگ

زمیں کے پیٹ سے سونا کشید کرتے ہیں
ہُنر فروز و ہنر آشکار ہیں ہم لوگ

فضا ہمارے تبسُّم سے رنگ پیتی ہے
عروسِ صبح کی گردن کا ہار ہیں ہم لوگ

ہمارا چہرہ کبھی فق نہیں ہوا غم سے!
وہ اس لیے کہ مجسّم جبار ہیں ہم لوگ

ذرا اڑکو۔ تمہیں چاندی سا دودھ پیش کریں
مسافرو! بڑے خدمت گزار ہیں ہم لوگ

ہمتے تو کیسے ننھے۔ جوئے گر مجوشِ عدم
کہ ہر لحاظ سے مردانِ کار ہیں ہم لوگ

★

قوالی

آپ آتے نہیں۔جان جاتی نہیں

آپ کی منتظر ہے یہ جانِ حزیں

آپ آئیں تو مرنا ہو کتنا حسیں

گلستاں گلستاں۔انگبیں انگبیں

انگبیں انگبیں۔ یاسمیں یاسمیں!

آپ آئیں تو بے ساختہ بالیقیں

جان خوشبو کی مانند اُڑ جائے گی

آپ آتے نہیں جان جاتی نہیں

جان بھی آپ کی اِک ادا ہو گئی

آپ روٹھے تو یہ بھی خفا ہو گئی

دِل کو تکلیف بے اِنتہا ہو گئی

ناگہاں ہو گئی ۔ بر ملا ہو گئی

آپ کی جب بھی چشمِ عطا ہو گئی

جان خوشبو کی مانند اُڑ جائے گی

★

دیہات

شہرِ انسانی جبلت کی اگر تخریب ہے!!
گاؤں کی تہذیب قطعاً قدرتی تہذیب ہے

فلم کے گانے نہیں موجود اگر دیہات میں
کیا کمی ہے مانجھیوں کے گونجتے نغمات میں

جھومتے چرخے کی رُوں رُوں آسمانی گیت ہے
اس میں سچی ریت ہے، اس میں اچھوتی پریت ہے

راہٹوں کے زیر و بم میں زندگی کی چیخ ہے
چیخ نغمے کے جنم کی بولتی تاریخ ہے

قہقہے ہی قہقہے ہیں برگ و سازِ زندگی!!
مسکراہٹ سے جواں ہوتا ہے نازِ زندگی

رزق کی اَفراط سے دیہات مالا مال ہے
جس کو کہتے ہیں کساں وہ رحمتِ سیّال ہے

رازقِ کونین کا دستِ کرم دیہات ہے
شہریاروں کے خزانوں کا بھرم دیہات ہے

الغرض دیہات ہے کون و مکاں کا اِرتباط
نکہت و گُل کی رفاقت، جسم و جاں کا اِرتباط

بعد میں جو کچھ ہوا محتاجِ تفصیلات ہے
اِس جہاں کی سب سے پہلی روشنی دیہات ہے

★

عقیدہ

نام ہے میرا عقیدہ ۔ کام ہے میرا وفا

چومتی ہے ہاتھ میرا ۔ گردشِ صبح و مسا!

ٹل نہیں سکتی کسی ترکیب سے میری رضا

آزمائش میری راحت ۔ امتحاں میری صبا

کوہ اور دریا ملازم ۔ دشت و صحرا گردِ پا

مانتی ہے خود مشیت بھی مجھے فرماں روا

میں حریفِ اہرمن ہوں، ہیں مشیرِ کبریا

آگ پر چل کر بھی میرے پاؤں جل سکتے نہیں

میرے عزمِ آہنی ٹالے سے ٹل سکتے نہیں

میں شرافت کا پجاری۔ میں شقاوت کا عدو

ظلمتوں کو موت کا پیغام ہے میرا نمو

گو مرا اخلاق ہے مانندِ خلقِ آبجو

اہلِ باطل کے لئے میں ہوں شرارِ تند خو

کشمکش میری عبادت۔ بیکلی میرا وضو

موجزن ہے میری شریانوں میں سورج کا لہو

اپنی ضد پر جب بھی لہرا کے اڑ جاتا ہوں مَیں

زلزلہ آور چٹانوں سے بھی لڑ جاتا ہوں مَیں

کون ہے جو میری شہ زوری سے غم کھاتا نہیں

کون ہے جو میری ہیبت سے لرز جاتا نہیں

کون میرے حکم کی تعمیل فرماتا نہیں

کون مجھ کو تہنیت کے ہار پہناتا نہیں

کون میری برتری کے زمزمے گاتا نہیں

نامرادی کا مجھے مفہوم ہی آتا نہیں

موت بھی میرے ڈگر پر پاؤں دھر سکتی نہیں

صدق سے کوئی سیاست جنگ کر سکتی نہیں

★

انقلاب

رواں رواں - دواں دواں
مثالِ نکہتِ جناں !!
برنگِ بحر — موجزن
خموش — اور بے اماں
خمِ جلالِ ایزدی
دمِ بہارِ بے خزاں
تباہیوں کو روکنے
سلامتی کا پاسباں
نحوستوں کو لوٹنے!
سعادتوں کا کارواں

بہ آب و تاب آ گیا
وہ انقلاب آ گیا

مداریوں کی صف مٹی

سیاستوں کی چھب گئی

گئی ضرور رات ـــ گو!

گلا بریز لب گئی

چڑھتی تھی آمروں کو جو

نشے کی اونگھ سب گئی

درندگی بھی رک گئی

سکندری بھی دب گئی

اٹھی جو لہر غیض کی

تو ٹوٹ کر وہ کب گئی

بہ آب و تاب آ گیا

وہ انقلاب آ گیا

خُدا کا کام چل پڑا
نیا نظام چل پڑا
جو غاصبوں کا مال تھا
وہ رزق عام چل پڑا
وطن عروج کی طرف
بہ تیز گام چل پڑا
سعادتوں کا سِلسلہ
بہ اہتمام چل پڑا
ہر اِک فقیر کے لیے
سخی کا جام چل پڑا

بہ آب و تاب آ گیا
وہ انقلاب آ گیا

★

کہانیاں رو رہی ہیں

بادِ صبا ابھی میرا پیغام لے کے جا
بیدار ہو رہی ہے حسیں شام — لیکے جا
بیٹھی ہیں میکدے میں نگاروں کی ٹولیاں
پھُولوں کی شاہدوں کی ستاروں کی ٹولیاں

اور حسبِ قاعدہ غمِ دوراں علیل ہے!
شیشہ طلوعِ صُبحِ طربِ دلیل ہے
کہنا یہ جا کے میرے سعادت سرشت کو
آواز دے رہے ہیں مُغنّی، بہشت کو
ضامن ہیں ہم اگر تو چلا آئے گا یہاں
ماحول رس میں ڈوبا ہوا پائے گا یہاں

یاں مُغبچے ہیں، رند ہیں اور شہریار ہیں
لیکن تمام تیرے لئے بیقرار ہیں!

سب جانتے ہیں کتنا سلیم آدمی ہے تُو
پتھّر کی آب اور صدف کی نمی ہے تُو

اے یار! غیر کوئی نہیں اِس ہجوم میں
آ — فال دیکھتے ہیں کتابِ نجوم میں

منٹوؔ! تُو دن کے وقت جہاں بھی مقیم ہو
رحمت خُدا کی تیری رفیق و ندیم ہو

شب کو مگر تجھے مرے دیرینہ ہم سبُو
آنا پڑے گا اپنے رفیقوں کے روبرُو
گریہ کناں ہیں تیرے فسانے ترے بغیر
بے رنگ ہو رہے ہیں زمانے ترے بغیر
ماتم کہانیوں کا یہ دیکھا نہ جائے گا!!
راتوں کو تُو ضرور یہاں اُڑکے آئے گا

★

بچّے

دہر کی تاریخ کا پہلا ورق
ہے براہیمی قیادت کا سبق

طارق و خالد بھی دو اطفال تھے
لم یزل کے فیصلے کی فال تھے

★

یہ وطن کے قیمتی بچّے، یہ دھن
اِنکو سمجھو اِمتحانِ ذوالمنن

اِن کا مطلب ہے ضیا لولاک کی
یہ امانت ہیں خدائے پاک کی

مُتصّف اِن کو کرو کردار سے
تیز تر ہے برگِ گُل، تلوار سے

اِن کے ہاتھوں میں ہے فردا کی کتاب
اِنکے ماتھوں پر ہے رخشاں آفتاب

یہ شگوفے باثمر اشجار ہیں
آنے والے دوَر کے معمار ہیں

★

محمد علی جناح

ثبت ہے تاریخ پر تیرا دوام
تُو عمل کے نُور کا مینار ہے

تیر جس سے لگ کے زخمی ہو گئے
تُو اولو العزمی کی وہ دیوار ہے

خَلق کی خدمت ترا کردار تھا
خَلق کی خدمت ترا کردار ہے

گامزن ہے عشق تیرے نام پر
راستہ گو اب بھی کچھ دشوار ہے

تیرے ہر نقشِ قدم کا آئنہ
سجدہ گاہِ اہلِ گیرو دار ہے

طالعِ مردانِ حق خُفتہ نہیں
طالعِ مردانِ حق بیدار ہے

زخم خوردہ لوگ بھی مسرُور، ہیں
یہ ترا نذرانۂ ایثار ہے

تیری ہمّت نے یہ ثابت کر دیا
آدمی اللہ کی تلوار ہے

شعبدہ

(دُنیا کا مختصر ترین افسانہ)

کر رہے تھے ریل میں دو آدمی باہم سفر

ایک نے یہ دوسرے ساتھی سے پوچھا سوچ کر

واقعی کیا آپ بھوت اور پریت کے قائل نہیں

آپ کا ذہنِ مبارک اِس طرف مائل نہیں

اِس قدر اُس نے کہا اور آپ غائب ہو گیا

دُوسرا فرطِ تحیّر میں یکایک کھو گیا

★

جس کو کہتے ہیں مساواتِ حقوقِ مرد و زن!
شہر میں تقریر ہے۔ دیہات میں خالص چلن

شہر میں مفہوم اُس کا، ہم نشینی، ہم سری
یعنی کم رُتبہ نہیں سُلمان سے نیلم پری

گاؤں میں اس کا مگر کچھ اور ہی مفہوم ہے
اتحادِ باہمی کا مُعجزہ منظوم ہے

پُوچھنے کی کچھ ضرورت ہی نہیں ہوتی یہاں
بحث کی کوئی مہورت ہی نہیں ہوتی یہاں

اپنے اپنے کام پر مرد اور زن مامُور ہیں
مُتصل ہو کر بھی کچھ اک دوسرے سے دُور ہیں

دُور ہیں تقویم کی چکی چلانے کے لئے
لَم یزل کی ارض کو جنّت بنانے کے لئے

*

مَرد جاتا ہے سحر کو ہَل چلانے کے لئے
توڑ کر مٹّی کو سونا کھود لانے کے لئے

عورتیں رہتی ہیں گھر میں خانہ داری کے لئے
صاحبِ خانہ کی عِزّت اُستواری کے لئے

کاتتی ہیں سوُت ملکوتی دُھنیں گاتی ہوئی
اپنے اِستغراق میں اَفلاک تک جاتی ہوئی

دُودھ سے کرتی ہیں پیدا چھاچھ، مکھن اور دہی
ہائے اِن شفّاف فِطرت دلہنوں کی سادگی

ڈنگروں کی جِلد سہلاتی ہیں بچوں کی طرح !!
پھر اُنہیں مَل مَل کے نہلاتی ہیں بچوں کی طرح

چلچلاتی دُھوپ سے کرتی ہیں یہ کب احتراز
یہ نمازت کے گھرانے کی عروسانِ گداز

روٹیاں۔ لسّی کی گاگر، جانفزا سرسوں کا ساگ
راستہ بھرا پنے سَر سے۔ ہانکتی چیل اور کاگ

گبردؤں کو کھیت میں لے جا کے پہنچاتی ہیں یہ
دیویاں رحمت کی بن کر سامنے آتی ہیں یہ

لکڑیاں چُنتی ہیں ایندھن کے لئے دیوانہ وار
اِن کے کندھوں کو جُھکا سکتا ہے کب پیڑوں کا بار

اُستخواں اِن کے کمانوں کی طَرح مضبُوط ہیں
حوصلے اِن کے چٹانوں کی طرح مضبُوط ہیں

اِن مُقدّس اور جفاکش عورتوں کا کیا جواب
اِن کے اعضا سُرخ تانبا۔ اِن کے چہرے آفتاب

عورتیں تو یہ نہیں، تخلیق کے اَوزار ہیں
رحمتِ یزداں کے جیتے جاگتے اوتار ہیں

★

آج پاکستان کی پہلی حقیقی عید ہے!!
اک مبارک اور روپہلے دور کی تمہید ہے

دل درخشاں ہیں ارادے خیر سے معمور ہیں
خیر خواہانِ وطن سب قدرتاً مسرور ہیں

شاعروں کی میکشی تو آفتاب آلود ہے
صوفیوں کی پارسائی بھی شراب آلود ہے

آج اربابِ وطن پوری طرح دلشاد ہیں
آہوئے خندہ طبیعت کی طرح آزاد ہیں

اختلافِ مسلک و شیوہ سبو میں غرق ہیں
زاہد و میکش برابر ہاؤ ہو میں غرق ہیں

★

چند دن پہلے وطن کا حال کتنا زار تھا
عید کے دن بھی تخیل قوم کا بیمار تھا

چند جھوٹے مقتدر انسان تھے مسند نشین
باقی سب جیتے ہوئے حیوان تھے مرقد نشیں

لیکن آخر جیت حق کی ہے ریا کی ہار ہے
تجربہ سچائی کا سب سے بڑا معیار ہے

تجربے کے باوجود اُن کو کہاں معلوم تھا
اُن کی صولت کا شبستاں آشیانِ بُوم تھا

ہائے ایسے با فراست اور اتنے بے خبر
وہ تو اِس چھوٹی سی سچائی سے بھی بے خبر

چور کے سَو دِن اگر ہیں۔ سعد کا اِک دِن بھی ہے،
دھیرے دھیرے آنے والا بعد کا اِک دن بھی ہے،

بعد کا دِن آ گیا ایوّب کہتے ہیں جسے
بدمعاشی کا جوابِ خوب کہتے ہیں جسے

★

جھوٹے چراغ

اے گزشتہ اقتداروں کے پشیماں والیو
اے چمن کو آگ دینے والے بانکے مالیو

کل تمہارے حکم کا تابع تھا دورِ آسماں
جنبشِ ابرو پہ چلتا تھا نظامِ دو جہاں

حامیانِ مذہب و دیں بھی ثنائے دست تھے
کیونکہ تم ظلِّ خدا ۔ سلطانِ بند و بست تھے

معترض ہونا تمہارے فعل پر الحاد تھا
بختِ فرخندہ تمہارا "کبریا ایجاد" تھا

سجدہ کرتی تھی تمہارے در پہ تاریخِ زمن
سانس لیتے تھے تمہارے رحم پر دشت و دمن

نظم و آئینِ تمدّن تھے تمہارے چھ ہزار
تم تھے اپنے عہد میں دشنے کی دھار

آج لیکن طاقِ نسیاں کی بھی تم عزت نہیں
سہو کے بازارِ حیراں کی بھی تم زینت نہیں

نام ہی لیتا نہیں کوئی تمہارا دہر میں
بن گئیں قبریں تمہاری کس اندھیرے شہر میں

اور تم خود اپنی آنکھوں میں ہو اتنے شرمسار
لب ہلانے کا ارادہ بھی ہے تم کو مرگ و دار

جل چکے سچے دیئے، رخصت ہوئے جھوٹے چراغ
اب قیامت تک نہ دیکھو گے کبھی تم سبز باغ

حشر کے دن بھی تمہیں جب قوم لینے آئے گی
جلنے والی قبر میں مدفون و مردہ پائے گی

★

قطعات

اگر اُس کی قیمت نہ پڑتی کوئی
تو اِک جنسِ بیکار و برباد تھا
جسے ماہِ کنعاں سمجھتے ہیں لوگ
زلیخا کے پہلو کی ایجاد تھا

○

○

ذرا سی بھی مہلت نہیں تو لگی　　جو ہونا تھا وہ برملا ہو گیا
ہمیں سونپ کر رُتبۂ بندگی　　وہ زہرہ جبیں خود خدا ہو گیا

○

کنایوں کا دھندلکا تو بہت ہے　　عقیدت کی جواں تابیں کہاں ہیں
حرم اور دیر مدھم ہو رہے ہیں　　ترے ابرو کی محرابیں کہاں ہیں

○

○

یہ مینا گو نہایت قیمتی ہے ذرا چھلکی تو سب کا جام ہوگی
جوانی کو ذرا بے داغ رکھیے وگرنہ باعثِ الزام ہوگی

○

آہ بھریئے تو جھوم کر بھریئے جام لیجے تو جھول کر لیجے
کہہ رہی ہیں یہ انکھڑیاں اُنکی دِل کی قیمت وصول کر لیجے

○

○

ایک جُرعہ جو خُم میں باقی ہے — چھوڑنا اُس کو بد مذاقی ہے
آج مت اپنے دِل کو چھوٹا کر — کل کا غفّار آپ ساقی ہے

○

موم جم کر حجر نہ بن جائے — اپنی پلکوں کو ڈھال دے دِل میں
اپنے ہونٹوں کی کپکپاہٹ سے — بُوند پارے کی ڈال دے دِل میں

○

○

میں خطا کار، سہو کا پُتلا
میں سزاوارِ اِتقا بھی نہیں
مجھ پہ کیوں احتساب کرتے ہیں
میں پیمبر نہیں۔ خُدا بھی نہیں

○

توڑ ڈالا ہے ظرفِ توبہ کو
رندِ میخوار بن گیا ہُوں میں
تیری رحمت کو چھیڑنے کے لئے
پھر گُنہ گار بن گیا ہوں میں

○

○

تُو تو غائب ہے اے مرے مولا　　صُورتوں سے تجھے پرکھتا ہوں

تیری تخلیق کی حلاوت کو　　بیں بیتوں کی ادا سے چکھتا ہوں

○

بیخودی منفعت ہے ادنیٰ سی　　خودشناسی بڑا خسارا ہے

چاند کو اِس قدر سکون نہیں　　جس قدر مُضطرب ستارا ہے

○

دیکھ کر دیویوں کی چھب دِل پر — رنگ کیسے عجیب چڑھتے ہیں
مجھ کو محسوس ایسا ہوتا ہے — جیسے بُت بھی نماز پڑھتے ہیں

میری سچّی نیاز مندی کا — کچھ تو یارب صِلا دیا ہوتا
جس لگن سے کیا ہے یاد تجھے — سنگ ہوتا تو بول اُٹھا ہوتا

○

شبنم و گل ہیں دوست اِک شب کے　　　رات گزری تو ربط ٹوٹ گیا

اپنے نشتر کو پاس رکھ اپنے　　　آبلہ میرا خود ہی پھوٹ گیا

○

گریز و غفلت و پندار کے نہیں یہ دِن　　　لحاظ و اُلفت و بوس و کنار کے دِن ہیں

یہ کام عین عبادت ہے موسمِ گُل میں　　　ہمیں گلے سے لگاؤ بہار کے دِن ہیں

○

○

ہم نے بتوں سے بھی کیا اظہارِ شوق اگر خوشنودیٔ کریم، برنگِ سبو چلی
وہ تھے تو تھے کشادہ دریچے بہشت کے وہ جب چلے گئے تو جہنّم کی لُو چلی

○

حیات کے اِسی تپتے ہوئے بیاباں میں مقام ایک عجیب و غریب آتا ہے
عدم ملول نہ ہو اُس کی سرد مہری سے اِس امتحاں میں کوئی خوش نصیب آتا ہے

○

○

آئنہ عکس۔ آپ اصلیّت شیشہ شیشہ ہے۔ بادہ بادہ ہے

اتنی آرائش نہ فرمائیے آئینے کی نگاہ سادہ ہے

○

اُمنگوں پر گھٹا چھائی ہوئی ہے ارادوں پر بہار آئی ہوئی ہے

تمہارا قرب اور ساون کا موسم طبیعت سخت للچائی ہوئی ہے

○

○

کشتگانِ خلوص کی خاطر نیز کانٹے بھی پھول ہوتے ہیں
آپ کی غفلتوں کا کیا شکوہ اپنے اپنے اصول ہوتے ہیں

○

میرے اخلاص کا فریب نہ کھا میرا اخلاص ناگ ہے پیارے
عشق کو باغ کی ہوا نہ سمجھ عشق دوزخ کی آگ ہے پیارے

○

خدا کا شکر رہبر لاپتہ ہے — خدا کا شکر رہزن بے خبر ہے
ابد تک کاش منزل تک نہ پہنچیں — مرا محبوب، میرا ہم سفر ہے

دن نہیں۔ رات ہے میری سرکار — یہ حسیں رات نہ کل پر ٹالو
ایسی لغزش نہ کرو بہرِ خدا — آج کی بات نہ کل پر ٹالو

○

اللہ کا کرم ہے کہ پوُری ترنگ سے　　بُت کو جمالِ صبحِ ازل کہہ رہا ہوں میں
اِس بیخودی سے اُسکے تماشے میں غرق ہوں　　جیسے کوئی حسین غزل کہہ رہا ہوں میں

○

زُہّاد جِس سے حشر کے دِن منفعل ہوئے　　وہ اِس گناہ گار کی فردِ گناہ تھی
جِس شے میں نقص تھا وہ چمکدار تھی عدمؔ　　جِس شے میں کوئی عیب نہ تھا وہ سیاہ تھی

○

○

اُٹھا تھا جو تری زلفِ جواں سے وہ بادل کس قدر گھنگھور نکلا
سمجھتی تھی جسے دُنیا قیامت تری آوازِ پا کا شور نکلا

○

نہ مے خانہ نہ کوچہ مہ وشوں کا مگر پھر بھی کوئی جام آ رہا ہے
خُدا کا آسرا تُم دے گئے تھے خُدا ہی آج تک کام آ رہا ہے

○

○

اب مری حالتِ غمناک پہ کڑھنا کیسا کیا ہوا مجھ کو اگر آپ نے ناشاد کیا
حادثہ ہے مگر ایسا تو المناک نہیں یعنی اِک دوست نے اک دوست کو برباد کیا

○

آئے تھے اپنی ذات کے عرفان کے لئے لیکن تری پسند کے دِن رات کر گئے
ہم نے ترے مزاج کو کیسا کیا شناخت کیا بات کرنے آئے تھے کیا بات کر گئے

○

○

آپ کو کچھ مری خبر نہ چلی
آپ کا کچھ مجھے پتہ نہ مِلا!

بارہا اِتنے پاس رہ کر بھی
پاس رہنے کا مُدّعا نہ مِلا

○

وہ ہمہ نور، ہم ہمہ ظُلمت
ٹھیک محوِ غرور رہتے ہیں

کم نہ ہو جائے اُن کی تابانی
اِس لئے ہم سے دُور رہتے ہیں

○

○

سانپ کی رِس سمو کے ہونٹوں میں　　لذّتِ کیفِ جاودانی دے
مے تو پیتے ہیں روز ہم ساقی　　آج کوئی نیا سا پانی دے

○

دیکھ کر رنگ و آب مرتا ہے　　دلِ خانہ خراب مرتا ہے
سیرتوں پر خرد مرے تو مرے　　صورتوں پر شباب مرتا ہے

○

○

کرنا تلاش آپ سے زہرہ جمال کا — ایسا ہے جس طرح کہ تعاقب غزال کا

لیکن وہ بدنصیب کرے بھی تو کیا کرے — چسکا پڑا ہو جس کو ہُما کے وصال کا

○

کیا جانگداز نکلی سماعت کی بیخودی — کیا بے ثباتِ نغمۂ بزمِ شہود تھا

اُڑتے ہی رنگ پھول بھی غائب تھا ساتھ ہی — ثابت ہُوا کہ رنگ نہیں تھا وجود تھا

○

○

آرزو کیسا رو پہلا خواب ہے
زندگی کیا تلخیٔ شاداب ہے!

دل ہے آہو کی طرح مصروفِ رقص
آنکھ پارے کی طرح بیتاب ہے

○

ناچتا ہے زندگی کا اضطراب
خامشی پیمانۂ تقریر ہے

جس قفس میں بند تھے اربابِ دل
اب وہاں اک شورِ بے زنجیر ہے

○

○

زخمِ نقصاں کا بھی مرہم سے نہیں بھر سکتا　　زخم جب بھرنے لگے آپ ہی بھر جاتا ہے

کیوں پریشان ہیں معلوم یہ جینے والے　　جسکو جینے کی نہ توفیق ہو، مرجاتا ہے

○

گھنی زلفوں کی چھاؤں تاجرانہ بھی اگر دہ ہو　　حقیقی سایۂ باغِ جناں معلوم ہوتی ہے

جوانی دوپہر ہے اے عدمؔ اِک گرم موسم کی　　اور اکثر دوپہر آتش فشاں معلوم ہوتی ہے

○

○

بھٹک گئے کہ ہمیں راہ کا شعور نہ تھا
حریمِ ناز ترا، ورنہ اتنی دُور نہ تھا

نکل گئے ترے نزدیک سے، تجھے نہ مِلے
ہماری اپنی خطا تھی، ترا قصور نہ تھا

○

ہزار خوابِ حسیں جب تباہ ہو جائیں
تو پھر کہیں کوئی تدبیرِ خواب ملتی ہے

دِکھائی دُور سے دیتے ہیں جانفزا چشمے
قریب جاؤ تو موجِ سراب مِلتی ہے

○

○

جانِ من باہمی تعاون سے ساز بجتے ہیں۔ جام آتے ہیں
تُم نہ آئے تو کوئی بات نہیں لوگ لوگوں کے کام آتے ہیں

○

اتنی نخوت سے کام مت لیجے عشق اِک فرضِ منصبی تو نہیں
آپ کتنے بھی خوبصورت ہوں آپ معشُوق ہیں نبی تو نہیں

○

مسکرا کر بات کرتے جائیے
رد تکلیفات کرتے جائیے

دیر سے بیٹھا ہے رستے میں فقیر
زندگی خیرات کرتے جائیے

○

آنکھ کی تصویر میں ڈالا ہُوا
کیا اِشارا اور کیا تفسیر ہے

جام کا خط آپ کا ابرُو ہے اور
اُس کے نیچے چشمۂ تنویر ہے

○